انٹرویو

عبد الخالق توقیر☆

مولانا محمد رمضان سلفی ﷾

رئیس كلية الشّريعة

رشد: مولانا! آپ کا نام، تاریخ پیدائش اور جائے وِلادت کیا ہے؟

مولانا: والدہ محترمہ کے بقول میرا نام محمد اِبراہیم تجویز کیا گیا تھا، لیکن ماہِ رمضان میں پیدائش کی وَجہ سے گاؤں کے اِمام مسجد نے محمد رمضان رکھا، مگر میری خواہش اَب تک یہی ہے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کے نام پر محمد اِبراہیم نام ہوتا۔ میری وِلادت ۲۵/دسمبر ۱۹۵۸ء کو میاں چنوں سے جنوب کی جانب ۱۶، ۱۷/کلومیٹر پر واقع گاؤں ۱۵/۱۹۶۔ایل میں ہوئی۔

رشد: آپ کے کتنے بہن بھائی ہیں اور اُن کی مصروفیات کیا ہیں؟

مولانا: ہم چار بہن بھائی ہیں۔ دو بہنیں اپنے اپنے گھروں میں الحمد للہ خوش باش ہیں۔ دوسرا بھائی محمد رفیق مجھ سے بڑا ہے اور اسلام آباد میں وزارتِ دفاع میں ملازم ہے۔ میں جامعہ لاہور الاسلامیہ میں اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہوں۔

رشد: بچپن میں کون سا کھیل پسند تھا؟

مولانا: مجھے شروع سے کھیلیں اتنی پسند نہیں رہیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب ہم ابتدائیہ (پرائمری) میں پڑھتے تھے تو نمازِ فجر کے بعد باہر چلے جاتے تھے اور ایک کھیل 'وانجو' کھیلا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ورزش میں دَوڑ اور ڈنڈ کے علاوہ کبھی کبھار کبڈی اور کشتی بھی ہو جاتی تھی۔ لیکن جب سے میاں چنوں سے باہر نکلا ہوں اُس وقت سے کھیل میں دِلچسپی ختم ہوگئی۔ خاص طور پر کرکٹ سے تو مجھے بہت نفرت ہے کیونکہ اس میں وقت کے ضیاع کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں۔

☆ متعلّم ثانِيَة كُلية الشّريعَة، جامعہ لاہور الاسلامیہ

رشد: مجموعی لحاظ سے آپ کا بچپن کیسا گزرا؟

مولانا: الحمدللہ! میرا بچپن دینی ماحول میں گزرا ہے۔ بچپن میں مجھے میرے والدین نے مسجد میں داخل کروایا تھا تو میں نے سکول میں داخلہ سے قبل ہی مکمل قرآن پاک مع ترجمہ پڑھ لیا تھا۔ بچپن میں، مَیں بکریاں بھی چرایا کرتا تھا، الحمدللہ بچپن میں ہی سنت پر عمل ہوگیا کہ تمام اَنبیا علیہم السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی نبوت سے پہلے بکریاں چرائیں۔ میں بچپن میں بچوں کی گالم گلوچ جیسی بُری حرکات سے محفوظ رہا۔

رشد: آپ نے اپنے والدین کو کیسا پایا؟

مولانا: والدین اگرچہ اَن پڑھ تھے جنہوں نے صرف سادہ قرآن ہی پڑھا ہوا تھا۔ لیکن ہمارا ماحول تعلیمیافتہ گھروں والا تھا۔ والدہ محترمہ تہجد گزار اور گاؤں میں بچیوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتی تھیں اور عورتوں کو 'احوالِ آخرت' کتاب پڑھ کر سناتی تھیں۔ والدِ محترم بھی الحمد للہ تہجد گزار ہیں اور کسی سے لڑائی جھگڑا اور لعن طعن ایسی بُری باتوں سے اجتناب ہی کرتے ہیں۔

رشد: کیا آپ کے والدین ابھی حیات ہیں؟

مولانا: والدہ محترمہ ۸/ فروری ۲۰۰۴ء بمطابق ۱۷/ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ کو فوت ہو چکی ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے! والدِ محترم الحمد للہ حیات ہیں اور اچھی حالت میں ہیں۔

رشد: عصری تعلیم کتنی ہے اور اس کا آغاز و اختتام کب ہوا؟

مولانا: میری عصری تعلیم بہت مختصر ہے۔ مجھے گاؤں کے پرائمری سکول میں ۱۹/ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو داخل کرایا گیا، وہاں مَیں پانچ سال زیرِ تعلیم رہا۔ ۳۱/ مارچ ۱۹۶۹ء کو میں وہاں سے فارغ ہوا تو میرے ٹیچرز کی بڑی کوشش اور خواہش تھی کہ میں مزید سکول پڑھوں، کیونکہ میری تعلیمی حالت اچھی تھی اور انہوں نے میری لکھی ہوئی کاپیاں بھی طلب کی تھیں جو میں نہ دے سکا۔ میری والدہ مجھے دینی تعلیم دِلوانا چاہتی تھیں لہٰذا میں پرائمری تک ہی پڑھ سکا، البتہ بعد میں سعودیہ کی سند پر میں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کی ڈگری حاصل کی۔

رشد: آپ کے مدرسہ آنے کا سبب کون بنا؟

مولانا: میرے دینی مدرسہ میں آنے کا سبب میری والدہ محترمہ ہیں۔ والد صاحب زمیندار آدمی تھے جو صبح کے وقت کھیتوں میں بیل لے جاتے اور عشا کو گھر لوٹتے تھے، ان کو اتنی دلچسپی نہ تھی البتہ والدہ محترمہ کی پوری کوشش تھی کہ میں دین کا علم حاصل کرلوں اور ان کی کوشش بر آئی۔ ہمارے گاؤں کے اِمام مولانا محمد حسین کشمیری سے پوچھا گیا کہ دینی تعلیم کیلئے اس کو کہاں بھیجا جائے تو مولانا نے مشورہ دیا کہ چک نمبر ۱۵/۱۲۶۔ ایل میں مدرسہ 'دار الہدیٰ' ہے جہاں مولانا محمد یحییٰ صاحب پڑھاتے ہیں، وہ مدرسہ ہمارے قریب بھی ہے اور تعلیم بھی اچھی ہے۔ تب میرے بھائی نے مجھے سائیکل پر بٹھایا، تھوڑا سا سامان لے کر دیا اور مدرسہ چھوڑ آئے۔ گویا میں اپنی والدہ محترمہ کی کوششوں سے ہی مدرسہ پہنچا۔ ۳۱/ مارچ ۱۹۶۹ء کو سکول سے فارغ ہوا اور اس کے دو ماہ بعد مدرسہ 'دارالہدیٰ' میں داخلہ لیا۔

رشد: آپ نے دینی تعلیم کہاں سے حاصل کی اور اس کا دَورانیہ کتنا ہے؟

مولانا: ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۴ء یعنی پانچ سال تک مدرسہ دار الہدیٰ میں پڑھتا رہا، پھر اپنے اُستاد کے مشورہ سے ماموں کانجن کے قریب چک اَوڈاں والا میں مدرسہ تقویۃ الاسلام میں چلا گیا۔ میں جب بھی ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ میں گیا ہوں تو استاد کی اجازت اور مشورہ سے گیا ہوں، میں یہ گوارا نہیں کرتا تھا کہ جس اُستاد سے تعلیم حاصل کی جائے اس کی اجازت کے بغیر ہی کسی دوسرے مدرسہ کا اِنتخاب کیا جائے۔ مدرسہ تقویۃ الاسلام میں مولانا محمد یعقوب پڑھاتے تھے، میں وہاں ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۶ء دو سال رہا۔ وہاں سے سندِ فراغت حاصل کی، لیکن میرا خیال تھا کہ ابھی تعلیم جاری رکھی جائے۔ اُستاد کے مشورہ سے ۱۹۷۷ء کو گوجرانوالہ میں جامعہ محمدیہ میں محترم شیخ الحدیث والتفسیر حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ سے بخاری شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ اس کے علاوہ اور اسباق بھی پڑھے مثلاً منطق، فلسفہ وغیرہ، ان اسباق میں زیادہ منطق کی کتب تھیں۔ شرح تہذیب، قطبی، اس کے علاوہ

علم ہیئت کی کتاب 'التصریح'، اور شرح چیغمینی پڑھی، میں وہاں ۱۹۷۷ء، ۱۹۷۸ء دو سال پڑھتا رہا۔ جب میں جامعہ محمدیہ سے فارغ ہوا تو رمضان المبارک میں حافظ محمد عبداللہ بڈھیمالوی رحمہ اللہ راجووال میں دورۂ تفسیر کروا رہے تھے وہاں جاکر میں نے دورۂ تفسیر کیا، بعد ازاں جامعہ ہذا (جو اُس وقت باڈی بلڈنگ میں ہوتا تھا) میں مولانا محمد صادق خلیل رحمہ اللہ سے تقریباً ایک ہفتہ درسِ بخاری لیا۔

رشد: آپ کی تعلیمی حالت کیسی تھی؟

مولانا: الحمدللہ! میری تعلیمی حالت اچھی رہی، میں ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔ میری بچپن ہی سے عادت رہی ہے کہ میں اُصول کی کتب زبانی یاد کرلیا کرتا تھا مثلاً نحو میر، صرف میر، صرف بہائی، میزان، منشعب اور کافیہ وغیرہ۔ ایک دفعہ 'مدرسہ دار الہدیٰ' کے امتحانی پرچہ جات، خانیوال کے جید عالم مولانا عبد الرحمٰن رحمہ اللہ سے بنوائے گئے، بعد میں پرچوں کی چیکنگ کے دوران انہوں نے مولانا محمد یحییٰ صاحب کو بلا بھیجا اور کہا کہ یہ لڑکا کتابوں سے دیکھ کر لکھتا رہا ہے، اُستادِ محترم ہنس پڑے اور فرمایا کہ یہ بچہ اُصول کی کتب زبانی یاد کرتا ہے، نقل نہیں لگاتا۔

اسی طرح جب میں سعودی عرب میں پڑھتا تھا تو وہاں بھی میرا نام اَوائل خمسہ (پہلی پانچ نمایاں پوزیشنوں) میں رہا۔ دورانِ تعلیم محنت کی عادت تھی۔ رات کو دو اَڑھائی بجے تک پڑھنے کے باوجود نمازِ فجر کے بعد کبھی نہیں سوتا تھا، کیونکہ کثرتِ نوم تعلیم کیلئے انتہائی نقصان دہ ہے۔ علاوہ اَزیں میں چھٹیاں بہت کم کرتا تھا، ایک مرتبہ جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں عید الاضحیٰ کے بعد آیا اور واپس گھر عید الفطر کو لوٹا تھا کیونکہ درمیان میں سالانہ چھٹیوں میں دورۂ تفسیر میں شریک ہوگیا تھا۔

رشد: تدریس کا آغاز کہاں سے اور کیسے ہوا؟

مولانا: میں نے پہلے بتایا ہے کہ جامعہ محمدیہ سے فراغت کے بعد راجووال میں دورۂ تفسیر کیا۔ عید الفطر کے بعد راجووال کے مولانا محمد یوسف (اللہ انہیں صحت دے!)، مولانا محمد یحییٰ کو ۱۵/۱۲۶ ایل میں ملنے گئے اور کہا کہ محمد رمضان کو ہمارے پاس بھیج

دیں تاکہ یہ وہاں تدریس کے فرائض سرانجام دیں، پھر وہ میرے پاس میرے گاؤں تشریف لائے تو میں نے وعدہ کرلیا اور ۱۹۷۹ء میں وہاں تدریس شروع کردی۔ میری رغبت چونکہ تعلیم کی طرف زیادہ تھی سال کے آخر میں، میں نے مولانا محمد یوسف صاحب سے اس سلسلہ میں بات کی تو اُنہوں نے مجھے تعلیم جاری رکھنے کی اِجازت دے دی، جب میں گھر گیا تو وہاں میرے ایک دوست اور ساتھی مولانا زکریا صاحب نے کہا کہ آپ ہمارے پاس پڑھایئے۔ میں ان کے پاس تقریباً ایک ہفتہ رہا، لیکن اسباق شروع نہیں کر رہا تھا کیونکہ ارادہ پڑھنے کا تھا۔ اسی دوران مجھے اطلاع ملی کہ حافظ محمد عبداللہ بھٹوی صاحب جو کہ میرے اُستاد تھے اور جامعہ لاہور الاسلامیہ میں محترم مدنی صاحب کے پاس پڑھاتے تھے، مجھے یاد کر رہے ہیں، میں یہاں پہنچا، اُس وقت مدرسہ باڈی بلڈنگ میں تھا، انہوں نے کہا کہ ہمیں اُستاد کی ضرورت ہے، آپ یہاں پڑھائیں، میں نے کہا کہ میں تو پڑھنا چاہتا ہوں۔ خیر میں نے پڑھنا شروع کر دیا، اس وقت مولانا محمد صادق خلیل رحمہ اللہ شیخ الحدیث تھے، اُن سے میں نے بخاری شریف شروع کی اور ایک ہفتہ پڑھا۔ بعد میں اُنہوں نے رئیس الجامعہ حافظ عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ سے مشورہ کیا اور مجھے تدریسی فرائض سونپ دیئے۔ اس کے بعد مجھے سعودی عرب میں پڑھنے کا موقع بھی ملا اور وہاں سے واپسی پر اُس وقت سے جامعہ لاہور الاسلامیہ میں ہی پڑھا رہا ہوں۔

رشد: بیرون ملک حصولِ تعلیم کیلئے کس کی تحریک پر روانہ ہوئے؟

مولانا: میں نے کبھی سوچا نہ تھا کہ تحصیلِ علم کیلئے سعودی عرب جاؤں گا اور نہ ہی میں نے باہر جانے کی دَوڑ دھوپ کی، کیونکہ رابطے بڑھانا میری عادت نہیں تھی۔ وہاں پہنچنا تو اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔ یہ ۱۹۸۰ء کا واقعہ ہے، جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا کہ میں جامعہ لاہور الاسلامیہ میں کچھ دیر تدریس کرتا رہا، پھر مولانا محمد صادق خلیل رحمہ اللہ کے مشورہ سے محترم مدنی صاحب نے ہم تین لڑکوں کو کہا کہ اپنے کاغذات تیار کریں، ایک میں تھا، دوسرے مولانا نصیر اَحمد اور تیسرے علامہ یوسف رحمہ اللہ تھے جو فوت

ہو چکے ہیں۔ ہم نے کاغذات بنوانا شروع کیے، اس دوران محترم مدنی صاحب حفظہ اللہ نے مالی تعاون بھی فرمایا، لہٰذا مدنی صاحب کی معاونت سے ہم سعودی عرب پہنچے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہاں جانے میں سب سے زیادہ بلکہ مکمل تعاون محترم مدنی صاحب کا ہے، جَزَاهُ الله خَيرًا في الدّارين!

رشد: سعودی عرب کی کس یونیورسٹی میں آپ کا داخلہ ہوا؟

مولانا: ہمارا داخلہ 'جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ' ریاض میں ہوا۔ وہاں پہنچ کر اُنہوں نے ہمارا تقریری اور تحریری امتحان لیا، میں نے الحمدللہ اَچھے نمبر حاصل کیے، میرے تقریری اِمتحان سے تو ممتحن بہت متاثر ہوا، والحمد للہ علیٰ ذلک! ہماری خواہش یہ تھی کہ ہم كلية الشريعة میں داخلہ لیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ اُنہوں نے ہمیں مکہ مکرمہ کے المعهد العلمي میں ثالثہ ثانوی میں بھیج دیا جو کہ جامعہ الامام کے تحت تھا۔ ہم ایک سال وہاں رہے اور بیت اللہ الحرام میں عبادت کا خوب فائدہ اُٹھایا اور اس کے بعد دوبارہ رِیاض آ گئے۔ انہوں نے كلية الشريعة وأصول الدّين ، اَبہا، جو خمیس مشیط کے قریب تھا، بھیج دیا، وہاں کا علاقہ بڑا ہی معتدل تھا۔ وہاں چار سال میں کلیہ سے فراغت حاصل کی۔

رشد: کیا آپ دورانِ تعلیم ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے رہے؟

مولانا: الحمد للہ! میں نے نصابی تعلیم کے ساتھ شروع سے ہی مطالعہ کی طرف رغبت رکھی، میں نے غلام اَحمد پرویز کی تمام کتابیں پڑھی ہیں اور اس کی کتابوں کا ایک انڈیکس بھی تیار کیا ہے کہ اس کی فلاں بات، کس کتاب میں کس باب یا صفحہ پر ہے؟

رشد: کیا یہ ممکن نہ تھا کہ آپ سعودی عرب میں ہی تدریسی فرائض سرانجام دیتے؟

مولانا: اکثر طلبا کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہاں ہی رہیں۔ اگر میں بھی چاہتا تو کسی جگہ پر میرا تقرر ہو جاتا، زیادہ نہیں تو کسی مسجد میں صبح وشام بچوں کو پڑھانے کی کلاس مل جاتی، لیکن میری خواہش یہی تھی کہ پاکستان میں علم کی زیادہ ضرورت ہے، ہم سے جو ہوسکتا ہے وہ اپنے ملک میں رہ کر کریں، اسی خواہش کو لئے ہوئے میں نے وہاں

کی بجائے پاکستان کو زیادہ ترجیح دی۔

رشد: آپ نے جن اساتذۂ کرام سے کسبِ فیض کیا، ان کے اسمائے گرامی ذکر فرمائیے!

مولانا: اساتذہ اگرچہ متعدد ہیں مگر میں سے نمایاں یہ ہیں:

پاکستان سے ① مولانا محمد یحییٰ فیروزپوری ② مولانا محمد یعقوب ③ مولانا جمعہ خان ④ مولانا خلیل صاحب ⑤ مولانا عبدالصمد ⑥ مولانا عبدالمجید ⑦ شیخ الحدیث والتفسیر حافظ محمد گوندلوی (مولانا محمد گوندلوی رحمہ اللہ سے الحمد للہ بہت فائدہ اُٹھایا۔) اور سعودی اساتذہ میں سے ⑧ شیخ محمود طحان کے بھائی عبدالرحیم طحان قابلِ ذکر ہیں۔

رشد: آپ کے معروف کلاس فیلو کون کون سے تھے؟

مولانا: ① مولانا باقر صاحب کے پوتے مولانا محمد زکریا ② مولانا امین صاحب (تقویۃ الاسلام اوڈاں والا میں شیخ الحدیث ہیں) ③ مولانا نصیر اختر صاحب، کراچی یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں ④ مولانا حافظ محمد شریف صاحب، جامعہ تربیہ فیصل آباد

رشد: آپ کی شادی کب اور کہاں ہوئی؟ اور آپ نے ایک سے زائد شادی کیوں نہ کی؟

مولانا: میری شادی ۱۹۸۰ء میں اُستاد محترم مولانا محمد یحییٰ کے ہاں ہوئی، اُن کا ماحول بہت ہی دینی ہے اور پردے کا یہ عالم ہے کہ میں نے آج تک اپنی سالیوں کو نہیں دیکھا جبکہ میری شادی کو ستائیس برس گزر چکے ہیں۔ جہاں تک زائد شادی کا معاملہ ہے تو اسلام نے تو چار تک شادیوں کی اجازت دی ہے، لیکن پاکستانی ماحول میں دوسری شادی بہت ہی مشکل ہے، پہلے گھر کو اُجاڑ کر ہی دوسری شادی کی جاسکتی ہے لہٰذا میں نے دوسری شادی کی خواہش نہیں کی۔

رشد: سیاسی یا مذہبی تحریکوں سے وابستگی کے بارے آپ کا کیا خیال ہے؟

مولانا: میں سمجھتا ہوں کہ دورِ طالب علمی میں تحریکوں سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ تحریک اور طلبِ علم دو الگ الگ شعبے ہیں، اگر استاد یا طالبعلم تحریک میں شامل ہوگا تو صحیح طرح علم پر توجہ نہ دے سکے گا، میں نے اسی لئے کسی تحریک میں شمولیت سے اجتناب کیا ہے۔

رشد: درسِ نظامی کا ۸ ؍سالہ تعلیمی دورانیہ، آپ کی رائے میں، کم ہے یا زیادہ؟

مولانا: آٹھ سالہ دورانیہ بالکل مناسب ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عصری تعلیم کیلئے بہت زیادہ وقت صرف کیا جاتا ہے تو یہ دینی علوم ہیں جن کی وجہ سے انسان کو معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ ایک عالم دین ساری عوام کو راہِ ہدایت پر لانے کا ذمہ دار ہے، اس لئے ضروری ہے کہ خود اُس کا علم پختہ بنیادوں پر قائم ہو۔ لیکن اگر تعلیمی دورانیہ کم ہوگا تو پھر صحیح طرح علم میں رسوخ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور اگر یہ دورانیہ زیادہ کیا جائے گا تو اکثر طلبا اتنا وقت نکال نہ پانے کی باعث سے علم سے محروم رہ جائیں گے، لہٰذا آٹھ سالہ تعلیم کا دورانیہ بالکل درست ہے۔

رشد: دورانِ تعلیم طلبا کی غیر نصابی سرگرمیوں کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

مولانا: غیر نصابی سرگرمیوں سے مراد اگر یہ ہے کہ آج کل جو فتنے موجود ہیں، اُن کو پڑھ کر اُن کا قلع قمع کیا جائے تو ایسی سرگرمیوں کو میں قابلِ ستائش سمجھتا ہوں، لیکن اگر غیر نصابی سرگرمیوں سے مراد تحریکوں میں حصہ لینا ہے تو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ اس میں طالبعلم کا علمی نقصان ہوتا ہے لہٰذا اس سے کلی اجتناب بہتر ہے۔

رشد: دینی اور دُنیوی علوم کا اِمتزاج فائدہ مند ہے یا نقصان دہ؟

مولانا: اگرچہ میں نے عصری تعلیم زیادہ حاصل نہیں کی، لیکن اب میں اُس کی کمی محسوس کرتا ہوں کیونکہ ہمارے اس معاشرے میں عصری تعلیم کی بہت ضرورت ہے تاکہ ہم معاشرے کی زبان اور اس کے مسائل سمجھ کر معاشرے کی صحیح رہنمائی کرسکیں، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ہر مدرسہ میں دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم بھی ہونی چاہئے اور ہر طالبعلم عصری تعلیم میں حصہ لے۔ جامعہ لاہور الاسلامیہ میں طلبا کیلئے سعادت کی بات ہے کہ عصری تعلیم کا بھی باقاعدہ اہتمام ہے، اس سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔

رشد: مدارس کے فضلا کو سکول ٹیچنگ کرنی چاہئے؟

مولانا: طالبعلم کو چاہئے کہ وہ دین کو نصب العین بنا کر چلے اور دُنیاوی مفادات کو اسلامی

خدمات پر غالب نہ ہونے دے اور اس کو علم ہونا چاہئے کہ رازق صرف اللہ تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ تو جب رِزق کا ضامن اللہ تعالیٰ ہے تو پھر سکول میں ٹیچنگ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ جب عالم دین سکول میں پڑھائے گا تو صرف چند پیریڈز ہوں گے باقی وقت فارغ ہوگا اور سہولیات میسر ہونے اور آرام پسند ہونے کی وجہ سے بندہ دین کا کام نہیں کر سکتا، لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ دُنیاوی تعلیم حاصل کرنی چاہئے لیکن مقصود ٹیچنگ نہ ہو بلکہ لوگوں کی دینی رہنمائی ہو، اگر اس نیت سے عصری تعلیم حاصل کرے گا تو اس کا عصری تعلیم حاصل کرنا بھی نیکی شمار ہوگا۔

رشد: مدارس میں ٹیچنگ کورسز کس حد تک مفید ہیں؟ اور کیا تدریس کی انتہائی عمر بھی ہے؟

مولانا: ٹیچنگ کورسز میرے نقطہ نظر کے مطابق بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ان میں ٹریننگ دی جاتی ہے کہ کلاس کو کیسے کنٹرول کرنا ہے اور طلبا کی رہنمائی کیسے کرنی ہے، یہ باتیں اُستاد کو مسندِ تدریس کا اہل بننے میں مدد دیتی ہیں اور یہ اس وقت ہی ہوسکتا ہے جب تدریس سے قبل اور دورانِ تدریس ٹیچنگ کورسز میں حصہ لیا جائے۔ جہاں تک تدریس کی انتہائی عمر کی بات ہے تو جب تک اُستاد کا حافظہ صحیح کام کرتا ہے وہ پڑھا سکتا ہے یعنی جب تک اُس کا ذہن اختلاط کا شکار نہیں ہوتا اس وقت تک وہ تدریس کے فرائض سرانجام دے سکتا ہے۔ اُستادِ محترم حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ بڑی عمر کے تھے لیکن کمال کا پڑھاتے تھے۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ساٹھ سال کی عمر میں تدریس چھوڑ دی جائے☆، کیونکہ اُستاد جتنا پرانا ہوگا اُتنا ہی اُسے تجربہ بھی زیادہ ہوگا، لہٰذا ہر اُستاد کی حالت کے پیش نظر تدریس کی اِنتہائی مدت مقرر کی جائے گی۔

☆ ہمارے ہاں مغرب سے یہ تصور در آیا ہے کہ انسان ۶۰ سال کی عمر کے بعد محنت نہیں کرسکتا لہٰذا اُسے جبری ریٹائر کر دیا جائے تاکہ وہ آرام کرے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ﴾ [الانشقاق: ٦] ”اے انسان! تو اپنے رب کیلئے سخت محنت اور کوشش کرنے والا ہے حتیٰ کہ تو اُسے جا ملے۔“ یعنی انسان کی محنت موت تک جاری رہنی چاہئے۔

رشد: پاکستان میں نفاذِ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ کیا ہے؟

مولانا: نفاذِ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ، ہمارے ملک میں امریکہ کا عمل دخل ہے، ہمارے عوام اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور اسلام سے محبت کرنے والے ہیں اگرچہ عمل میں سستی پائی جاتی ہے، لیکن امریکہ ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا اور ہمارے معاملات میں ٹانگ اڑانے سے باز نہیں آتا، ہمارے حکام چونکہ امریکہ کے تعاون سے برسر اقتدار آتے ہیں لہٰذا وہ اس کی پالیسیوں کی حمایت کرتے ہیں، ملک ہمارا ہے لیکن اس پر حکومت امریکہ کی ہوتی ہے، جو وہ چاہتا ہے ان سے کراتا ہے۔ میری نظر میں اگر امریکہ کا ہمارے ملک میں عمل دخل ختم ہو جائے تو اسلام کا نفاذ ممکن ہو سکتا ہے، کیونکہ ہمارے وزرا اسلام سے اتنے بھی تہی دامن نہیں کہ وہ اسکے نفاذ کو ناپسند کریں، صرف انہیں حقیقت سمجھانے کی ضرورت ہے۔

رشد: اِن حالات میں نفاذِ اسلام کا مؤثر طریقہ کار کیا ہونا چاہئے؟

مولانا: نفاذِ اسلام کا ایک ہی طریقہ ہے کہ لوگوں کی صحیح اسلامی تربیت کی جائے، قوت کے ذریعے سے اسلام کا نفاذ ممکن نہیں اور نہ ہی کسی تحریک کو ایسا کرنا چاہئے۔ نفاذِ اسلام کا طریقہ کار یہی ہے کہ ہم لوگوں کی ذہن سازی کریں نتیجتاً باشعور اور دین دار لوگ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوں گے، تب اسلامی حکومت کے قیام کی اُمید کی جا سکتی ہے۔

رشد: مدارس کی طرف سے نکالے جانیوالے جلوس، انتہا پسندی کے زمرے میں نہیں آتے؟

مولانا: جلوس، نعرے بازی اور ہڑتالوں کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ ان میں ہمارا اپنا نقصان ہے لہٰذا ایسے کاموں سے اجتناب ضروری ہے اور جہاں تک انتہا پسندی کا تعلق ہے تو جلوس وغیرہ کو ہم انتہا پسندی یا دہشت گردی تو نہیں کہہ سکتے لیکن اس میں فائدہ والی کوئی بات نہیں ہے۔

رشد: لیکن ہمارے ہاں وکلا برادری کے جلوس تو رنگ لائے ہیں؟

مولانا: چیف جسٹس کی بحالی جلوسوں کی وجہ سے نہیں بلکہ عدالت کے منصفانہ فیصلے سے ہوئی ہے، عدالت نے انصاف کو مدِنظر رکھتے ہوئے فیصلہ صادر کیا ہے تو چیف جسٹس کو

انصاف ملا ہے، اگر عدالتوں سے لوگوں کو یونہی انصاف مہیا ہوتا رہے تو کسی حد تک ملک سے ظلم و ناانصافی ختم ہوسکتی ہے۔

رشد: کیا جامعہ حفصہ کے مطالبات ماننے کے قابل تھے؟ ان کا رویہ کیسا تھا؟

مولانا: میری رائے میں ان کے مطالبات قابل تحسین تھے، کیونکہ ان کا نعرہ نفاذِ اسلام اور انسدادِ منکرات کا تھا، یہ ایک حقیقی مسلمان کا مشن ہے لیکن حکمتِ عملی سے کوئی لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے تھا، منکر کو ہاتھ سے روکنا بجا ہے لیکن اگر اس میں فائدہ سے زیادہ نقصان کا ڈر ہو تو زبان سے روکنے پر اکتفا کرنا چاہئے۔

رشد: جامعہ حفصہ پر آپریشن سائلنس کیسا اقدام تھا؟

مولانا: جامعہ حفصہ پر آپریشن حکومت کا نہایت ہی غلط اِقدام ہے، اسلام کی پوری تاریخ کی شاید پہلی مرتبہ مسجد اور مدرسے پر باقاعدہ آپریشن کیا گیا ہے اور وہ بھی 'روشن خیال' اسلام کی دعویدار حکومت کی طرف سے، ایسی جرأت تو کبھی کافر حکومتوں کو بھی نہ ہوئی تھی۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ عوام کو اپنے بھائی سمجھے اور امریکہ کو خوش کرنے کیلئے اُن کے ساتھ دشمنوں جیسا سلوک نہ کرے۔ مسلمان کا مسلمان پر ہتھیار اُٹھانا حرام ہے جو کہ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے۔

رشد: اس سانحہ میں جاں بحق ہونے والے فوجیوں اور طالبعلموں کے بارے میں آپ کا موقف کیا ہے؟

مولانا: یہاں دو فریق ہیں: جامعہ حفصہ کے مقتولین اور فوج۔ میرے نزدیک جامعہ حفصہ کے مقتولین مظلوم ہیں جو اپنے دین اور جانوں کا دفاع کرتے ہوئے شہید کیے گئے ہیں، حدیث نبوی ﷺ ہے: « مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ » [سنن الترمذي: ۱۳۴۱] ''جو بندہ اپنے مال، دین، جان اور اہل کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔'' لہٰذا جامعہ حفصہ کے مقتولین شہید ہیں کیونکہ وہ اپنے دین اور جان کی حفاظت کر رہے تھے۔ جہاں تک فوج کا

معاملہ ہے تو اُسے یہ آپریشن نہیں کرنا چاہئے تھا کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی بات نہیں مانی جاتی، رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: « لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ » [صحیح مسلم: ۳۴۲۴] ''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں، اِطاعت جائز کام میں ہے۔''

رشد: کیا قبائلی علاقہ جات میں خودکش حملے اس واقعہ کا ردِّعمل ہیں؟

مولانا: ممکن ہے کہ لال مسجد کے ردّعمل میں ہوں کیونکہ سرحد کے شیرپاؤ نے بیان دیا ہے کہ یہ حملے لال مسجد کے ردعمل میں ہوسکتے ہیں، لیکن ان میں غیرملکی ایجنسیوں کے ملوث ہونے کا زیادہ اِمکان ہے، بہرحال یہ خودکش حملے، جن میں بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا جاتا ہے، دُرست نہیں ہیں۔

رشد: تدریس کے علاوہ آپ کی مصروفیات کیا ہیں؟

مولانا: تدریس کے علاوہ میں نے خطابت کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے، جون ۱۹۸۹ء سے خطابت کا آغاز کیا تھا۔ ۱۳، ۱۴ر سال تک جامعہ مسجد مزمل میں اِمامت کے فرائض سراِنجام دیتا رہا ہوں۔ اس کے علاوہ میں زیادہ کوشش غلام اَحمد پرویز کو پڑھنے اور اس پر لکھنے کی کرتا ہوں کیونکہ یہ ذرا پرانا فتنہ ہے اور اس کا مقصد اِنکارحدیث ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب حدیث کا اِنکار کر دِیا جائے گا تو قرآن پاک کی من مانی تشریح کر کے قرآنی آیات کو موم کی ناک کی طرح جدھر چاہیں گے موڑ سکیں گے۔ جہاں تک جاوید اَحمد غامدی کا تعلق ہے تو یہ فتنہ اَب پروان چڑھ رہا ہے۔ شروع شروع میں جاوید اَحمد غامدی کے معتقدین کہتے تھے کہ غلام اَحمد پرویز حدیث کا اِنکار کرتا ہے، لیکن خود کو وہ منکر حدیث نہیں سمجھتے حالانکہ ان کے اور پرویزی فتنہ کے درمیان بہت سی باتوں میں قدرِ مشترک پائی جاتی ہے۔

رشد: آپ طالبانِ علم اور قارئین 'رُشد' کے نام کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟

مولانا: طالبانِ علم کیلئے سب سے پہلا پیغام تو یہ ہے کہ وقت کی قدر کریں اور اس کو قیمتی بنائیں، کھیل کود اور سونے میں وقت ضائع نہ کریں، محنت کو اپنا شعار بنائیں۔ اس

کے ساتھ ساتھ جامعہ اور اس کے متعلقین کا احترام کریں اور سوچیں کہ لوگ مالی تعاون اس لئے کرتے ہیں تاکہ آپ علمی رسوخ حاصل کرکے معاشرے کی صحیح اسلامی راہنمائی کرسکیں۔ علاوہ ازیں دین کے طالبعلم کو اخلاقِ حسنہ کا مالک ہونا چاہئے تاکہ وہ لوگوں کیلئے ایک نمونہ اور مثال ہو، عوام اُسے دیکھ کر اپنی اصلاح کریں۔ 'رُشد' کے قارئین کو چاہئے کہ صرف اِسے پڑھنے پر اکتفا نہ کریں بلکہ اس پر بھی غور کریں کہ لکھنے والا کیا اور کیسے لکھ رہا ہے؟ خود بھی لکھنے کا شوق پیدا کریں اور 'رُشد' کی اِشاعت میں دامے، درمے، سخنے تعاون کریں۔

رشد: علمائے کرام سے کوئی اپیل کرنا چاہیں گے؟

مولانا: علما، انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں لہٰذا اُنکی ذمہ داری بھی نبیوں والی ہی ہے، جس طرح انبیا علیہم السلام نے دین کیلئے محنت کی اور تکالیف کا سامنا کیا، علما کو بھی یہ راستہ اپنانا چاہئے۔ افسوس کہ آج کل علما میں سستی گھر کر چکی ہے، وہ دنیا داروں کو دیکھ کر مرعوب اور احساسِ کمتری کا شکار ہوتے ہیں، اس سے حتی الامکان بچنا چاہئے۔ ان کا مشن صرف دین کا غلبہ اور لوگوں کی رہنمائی ہونا چاہئے۔ قرآن کے مطابق علما اسوقت ہی بہترین اُمت بن سکتے ہیں جب اصلاحِ عوام کا فریضہ سرانجام دیں، اگر انہوں نے اس فریضہ کو ترک کر دیا تو بہترین اُمت کا لقب اُن سے چھن جائے گا۔

رشد: 'رُشد' کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

مولانا: 'رُشد' کا اِجرا ایک اچھی کاوِش ہے جس کا اصل مقصد جامعہ کے طلبا میں لکھنے کا ذَوق پیدا کرنا ہے، طلبا کو چاہئے کہ 'رُشد' میں مضمون لکھنے کی کوشش جاری رکھیں کیونکہ جب تک انسان عملاً لکھنے کے میدان میں نہ آئے وہ اس سے گھبراتا رہتا ہے اور جب وہ عملی قدم اُٹھانے کا عزم کرلے تو لازمی بات ہے کہ کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا ہے، جیسے تیراکی سیکھنے کیلئے دریا میں چھلانگ لگانا پڑتی ہے، خشکی پر کھڑا شخص تیراکی نہیں سیکھ سکتا بالکل اسی طرح مضمون نویسی کیلئے میدان میں اُترنا پڑتا ہے اور 'رُشد' نے آپ کیلئے یہ میدان ہموار کردیا ہے اس سے استفادہ کی ہر ممکن کوشش کریں۔